رجسٹرڈ انگلستیہ نمبر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار مملکت

اڈیٹر:۔ میر حسن الدین بی اے، ایل ایل بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ نمبر (۱۸۰۱) آصفیہ

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... عہ

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... ع

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۵) | ۱۷ اسفندار ۵۵ ف | ۱۴ صفر ۱۳۶۵ھ | ۱۹ جنوری ۴۵ء شنبہ | نمبر (۴۰)

برطانوی پارلیمانی وفد

یم ین رائے کا بیان

ہندوستان کے باشندوں کو چاہیئے کہ پارلیمانی وفد کا برطانوی جمہوریت کے نمائندوں کی حیثیت سے دلی خیر مقدم کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہندوستانی عوام کی آواز اس وفد کے کانوں تک پہنچ سکے گی؟ کیا یہ وفد معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ ہندوستانی عوام کیا چاہتے ہیں۔ وفد کے ارکان کی حیثیت ترکیبی زیادہ امید افزا نہیں ہے۔ اس کے اکثر ارکان ہندوستان کی صورت حال سے متعلق ایک مخصوص رائے رکھتے ہیں۔ یہ باور کرتے ہیں کہ کانگریس اور ہندوستان ایک ہیں۔ اور اسی لئے وہ حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ اقتدار کانگریسی لیڈروں کے حوالے کرے اگرچہ یہ عالی جماعت ہے کہ کیں لیکن وہ اس واقعہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کانگریس سرمایہ داروں اور کاروباری طبقہ کے زیر اثر ہے۔ وہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ سرمایہ داروں کے ہاتھ اقتدار منتقل کرنے سے محنت کش عوام کو آزادی نہیں مل سکتی۔ کانگریس کے سرمایہ دار سرپرستوں نے اپنے عزائم کو پوشیدہ نہیں رکھا۔ انہوں نے اپنے عزائم کو بمبئی پلان میں واضح کر دیا ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی بشرطیکہ اس میں کوئی تعصب نہ ہو وہ بمبئی پلان کے معاشی مضمرات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

یہ ابھی معلوم نہیں ہوا کہ پارلیمانی وفد اس ملک کے حالات کا کس طرح مطالعہ کرے گا۔ لیکن یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایسے لوگ جو پہلے سے رائے قائم کر چکے ہوں حقائق کی بناء پر اپنی کوئی رائے قائم کریں گے۔ وفد کے ایک رکن نے اعلان کیا ہے کہ وہ ہندوستان کے باشندوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت اچھا ارادہ ہے۔ ایک رکن نے ہندوستان پہونچتے ہی وار دھا جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے دوسرے ارکان نے دہلی میں بعض دوستوں کی میزبانی کو قبول کر لیا ہے۔ ایک اندیشہ یہ ہے کہ وفد کا سفر سرکاری رہنمائی میں ہوگا۔ اگر سفر کا انتظام کانگریس کی رہنمائی میں ہو تو ارکان وفد صورت حال کا غیر جانبدارانہ مطالعہ نہ کر سکیں گے۔

نہرو کی زبردست آواز نے پہلے ہی اس امکان کے خلاف احتجاج کیا ہے کہ کانگریسی لیڈروں کے علاوہ یہ وفد دوسرے پبلک کارکنوں سے ملے گا۔

میں اس وفد کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان جرائد کی آواز کو ہندوستان کی آواز نہ سمجھیں جو مالک کانگریس کے سرپرست ہیں۔ انہیں اس چیز کو بھی سیاسی اہمیت نہ دینی چاہیئے جو بعض لیڈروں کے ورکنگ کے لئے جمع ہو جاتا ہے دوسرے الفاظ میں ورکنگ اور زیارت کی بھیڑ کو سیاسی بیداری نہ سمجھنا چاہیئے اگر اس وفد کو دیہاتوں میں جانے کا موقع ملے تو اسے اس پہلے کو نہ دیکھنا چاہیئے جو کانگریس کی طرف سے کیا جائے گا۔ انہیں دیہاتوں میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ دیہی باشندوں کی آزادی کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے اور کونسی پارٹی ایسا پروگرام پیش کرتی ہے جس سے دیہی باشندے آزادی حاصل کر سکتے ہیں آخر میں میں برطانوی جمہوریت کے نمائندوں سے یہ اپیل کروں گا کہ وہ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ دولت مند افراد کے مطالبوں میں ہندوستان کے باشندوں کی آواز سنائی نہ دے گی۔ کانگریس نے برطانیہ میں اچھی تشہیر کے ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ اگر یہ وفد وہی باتیں سننے کے لئے اتنی دور سے ہندوستان آیا ہے جو برطانیہ میں برسوں سے کہی جا رہی ہیں تو اس کا سفر بے سود ہے۔ کانگریسی ہندوستان کے متعلق وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اس کو ہندوستان کے دوسرے رخ کی نسبت کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو کانگریس سے بھی زیادہ وسیع ہے یہ ہندوستان بے زبان عوام کا ہندوستان ہے اور تشہیر کیا سکتی ہے کہ برطانوی جمہوریت کے یہ نمائندے اس دوسرے ہندوستان کی بھی سن سکے ہیں کی آواز کو دبا دیا گیا ہے

۶۸۶ / ۲۹۲

ہفتہ وار
مملکت

۱۷ اسفندار ۱۳۵۵ ف

پارلیمانی وفد سے خطاب

یہ کہنا مشکل ہے کہ جب برطانوی پارلیمانی وفد ہندوستان سے لوٹے گا تو وہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے متعلق کوئی معقول اور قابل عمل حل لے کر لوٹے گا یا اس کے خیالات میں مزید انتشار اور الجھن پیدا ہو جائے گی۔ جب ہندوستان کے مختلف عناصر خود ملک کے دستوری مستقبل سے متعلق ہم خیالی اور ہم زبان نہیں ہیں تو باہر سے آکر ان حالات کا مطالعہ کرنے والے کسی صحیح نتیجہ پر کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔ اگر یہ وفد حیدرآباد آئے تو ہم حیدرآبادیوں کو چاہیے کہ ایسے امور سے متعلق جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے وفد کو صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔ مثال کے طور پر ان مسائل کو لیجئے جن کے حل کئے بغیر حیدرآباد اس معاشی بلندی پر نہیں پہنچ سکتا جس کے امکانات موجود ہیں۔ اگر حکومت ہند ہمیں وہ ساری سہولتیں دے جن کے ہم اخلاقی اور قانونی اعتبار سے مستحق ہیں تو حیدرآباد اقتصادی نقطۂ نظر سے ہندوستان کا ایک نہایت متمول خطہ بن سکتا اور نتیجۃً عوام کا معیار زندگی بلند ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں ان مسائل کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے جن کا تذکرہ اس ضمن میں کیا جا سکتا ہے لیکن ان موانعات کی جانب وفد کو متوجہ کرنا ہم سب کا فرض ہونا چاہیے جن کو دور کئے بغیر ہم اپنے صحیح مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔

وفد کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ حیدرآباد کے باشندے برطانوی ہند اور دوسری ریاستوں کے باشندوں کے مقابلہ میں زیادہ خوشحال اور پرامن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہاں انہیں وہ ساری سہولتیں حاصل ہیں جو کسی ملک کے باشندوں کو اپنی ترقی اور طمانیت قلب کے لئے درکار ہوتی ہیں اگر حکومت باشندگان ملک کے لئے وہ سب کچھ نہ کر سکی جو وہ خود کرنا چاہتی تھی یا جس کی رعایا بجا طور پر متوقع تھی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ برطانوی مداخلت اور پیراماونٹسی کا غلط نظریہ حکومت حیدرآباد کی راہ میں حائل رہا۔

ایک اور بات جو وفد کو بتانے کی ضرورت ہے یہ ہے کہ برطانوی پارلیمانی طرز حکومت کا ہندوستان کے لئے لازماً مفید ہونا محتاج تحقیق ہے۔ اخبارات میں مسٹر ویدیہ اور مسٹر راما چاری نے جو بیانات شائع فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات وفد سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حیدرآباد میں انہیں کچلا جا رہا ہے ان کی زبان بند ہے انہیں آزادی حاصل نہیں ہے وغیرہ۔ ہم نے اپنی گزشتہ اشاعت میں اس موضوع پر تھوڑی سی روشنی ڈالی تھی۔ اگر ہمیں موقع ملے یا ہمارے خیالات وفد تک پہنچ سکیں تو ہم یہ عرض کریں گے کہ حیدرآباد میں اشتراکی جماعت، ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی، آندھرا کانفرنس، مہاراشٹرا کانفرنس، کرناٹک کانفرنس، مجلس اتحاد المسلمین، آریہ سماج، ہندو پرجا منڈل وغیرہ کی کارگزاریاں کیا اس امر کا ثبوت نہیں ہیں کہ حیدرآباد میں سیاسی، معاشی اور سماجی جماعتوں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اسٹیٹ کانگریس پر امتناع کیوں عائد ہے جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اودے پور میں دریافت کیا تھا۔ سوال کرنے والوں کو خود سوچنا چاہیے کہ جب متذکرہ بالا اداروں اور جماعتوں پر کوئی قید و بند عائد نہیں تو اسٹیٹ کانگریس ہی کو اس امتیاز کے لئے کیوں منتخب کیا گیا؟ ہم جو حیدرآباد میں رہتے اور بستے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر اسٹیٹ کانگریس قائم ہوتی تو موجودہ اداروں کی فہرست میں صرف ایک نام کا اضافہ ہو جاتا ورنہ موجودہ ادارے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو اسٹیٹ کانگریس کرتی۔ اسٹیٹ کانگریس کے وجود میں آنے سے جہاں تک پبلک زندگی کا تعلق ہے کوئی خاص فرق نہ ہوتا ارکان بھی وہی ہوتے جو موجودہ اداروں میں ہیں۔ ان کے نعرے بھی وہی ہوتے اور اصطلاحات بھی وہی۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس اس ادارہ کو اپنا لیتی اور یہ دعویٰ کرتی کہ ہمارے مسلک کو حیدرآباد کی پبلک زندگی میں بھی ایک مسلمہ مقام حاصل ہے۔ حیدرآباد کی حکومت نے انڈین نیشنل کانگریس کو صرف ایسا دعویٰ کرنے کا موقع نہیں دیا۔

ایک دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ لفظ کانگریس برطانیہ دشمنی کے مترادف ہو گیا ہے اور حکومت حیدرآباد شاید یہ نہیں چاہتی کہ حیدرآباد میں کوئی ایسا ادارہ قائم ہو جس کا نام برطانیہ کی دشمنی کا مترادف بن گیا ہو۔ یہی وجہ ہوگی کہ حکومت حیدرآباد نے مسٹر ویدیہ، مسٹر راما چاری اور مسٹر نرسنگ راؤ کو یہ جواب دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو کسی اور نام سے کوئی ادارہ قائم کر لیں۔ ہم نے بھی اپنی کسی گزشتہ اشاعت میں اپنے دوستوں سے کہا تھا کہ جب آندھرا، مہاراشٹرا اور کرناٹک کانفرنس کے ارکان عاملہ پر مشتمل ایک مشترک ادارہ بن چکا ہے تو پھر اسٹیٹ کانگریس کے قیام پر ضد کرنا بالکل بے معنی ہوتا ہے؟ الغرض ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حیدرآباد میں سیاسی یا سماجی یا فرقہ وارانہ اداروں کے قیام پر کوئی پابندی نہیں ہے جیسا کہ اکثر ریاستوں میں ہے اور یہ ادارے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو نقص امن کے لئے کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہاں فی الواقعی نقص امن نہیں ہو رہا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان ساری مخالف حکومت سرگرمیوں کی تہہ میں کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے۔ اگر رعایا پر ظلم کیا جاتا، انہیں تکلیف

ہو جاتی جاتی ہے۔ اس کا مال ان کی جائداد یا ان کی جان خطرہ میں پڑتی تو تب ان اداروں کی ان تحریک مساعی کے طفیل ہیں حیدرآباد میں کئی ضربہ چکے ہوتے ہمارے سیاسی اداروں کی چیخ پکار کا صدا بصحرا ہونا اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ رعایا بحیثیت مجموعی امن اور چین سے گزر رہی ہے۔ اور اسٹیٹ کانگریس کی کوئی خاص ضرورت رعایا محسوس نہیں کرتی۔ اگر شہری آزادیوں کا یہی مفہوم ہے کہ حکومت کو عام اجازت ہو کہ رعایا دشمن اور لوٹ کھسوٹ کرنے والی کہا جائے تو یہ آزادی ہمارے اداروں کو حاصل رہی ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم بیانات، قراردادیں، خطبات، تقاریر اور مقالات پیش کر سکتے ہیں جو گزشتہ بیس سال کے دوران میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ رہا صحافتی آزادی کا مسئلہ سو خدا ہی جانتے کتنی ہی قیود کیوں نہ درج کئے گئے ہوں لیکن کیا کسی ایڈیٹر نے اپنا قلم اٹھاتے ہوئے کبھی سوچا کہ اخبار کی اجازت دیتے وقت حکومت نے اس سے کیا اقرار نامہ لیا تھا۔ اگر مڈریٹ برطانوی پارلیمانی وفد کے ہاتھ میں اس اقرارنامہ کا ترجمہ پیش کریں تو وہ تھوڑی دیر کے لئے ضرور اپنے ہمالیوں کو یہ دھوکہ دے سکتے ہیں کہ یہاں اخبارات کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ لیکن اگر وفد کو بتایا جائے اور بتا دینا چاہیئے کہ مقامی اخبارات خواہ وہ کسی غیرمسلم ہوں یا غیرمسلم خواہ وہ اردو زبان میں شائع ہوتے ہوں یا مقامی زبانوں میں وہ ساری چیزیں لکھ جاتے ہیں جو برطانوی ہند میں بمشکل سے لکھی جا سکتی ہیں تو مسٹر کی کوشش پر پانی پھر جائے گا

ایک اور بات جو وفد کو بتانی چاہیئے یہ ہے کہ برطانوی ہند میں اخبارات سے کتنی ضمانتیں طلب اور ضبط کی جاتی ہیں اور حکومت حیدرآباد کو ملک کی خدمت میں کیا رہا ہے۔ چنانچہ حیدرآباد کے اہل الرائے اور سنجیدہ طبقوں میں یہ خیال عام ہوتا جا رہا ہے کہ حیدرآباد کی حکومت کمزور ہو گئی ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ مروت برت رہی ہے اور مصیبت کا سامان آپ پیدا کر رہی ہے۔

اب رہ گئی دستوری ترقی۔ وفد کو بتانے کی ضرورت ہے کہ سارے ہندوستان میں حیدرآباد ہی وہ پہلا خطہ ہے جس نے مخلوط انتخابات کا نظریہ قبول کیا ہے۔ اور محض اس لئے قبول کیا ہے کہ رعایا ملکی اور معاشی مسائل کو فرقہ واری نقطۂ نظر سے دیکھنے کے غلط اور مضر رجحانات سے باز آجائے۔ کیا یہ ایک ترقی پسند اقدام نہ تھا؟ وفد کو یہ بھی بتا دینے کی ضرورت ہے کہ چار چند مٹھی بھر لیڈر اپنے بیدرد سیاسی مقاصد کو ان اصلاحات سے دور رہنے کا مشورہ صرف اس لئے دے رہے ہیں کہ کہیں انتخابات میں ان کی لیڈری کا پول نہ کھل جائے۔

بالآخر وفد کو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جب تک پیراموٹنسی کا موجودہ نظریہ باقی ہے اس وقت تک حیدرآباد کو سچی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حیدرآباد میں راعی اور رعایا کے مفاد میں کوئی تصادم نہیں اور نہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے بنیادی مفادات میں کوئی تصادم ہے۔ اہل ملک میں قابل افراد کی کمی نہیں۔ اگر حکومت برطانیہ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دے اور اس کا موقع دے کہ ہم اپنے گھر کو اپنے انداز میں سنوار لیں تو ہم ہندوستان کو حکمرانی کا سبق دے سکتے ہیں۔

مجلس جاگیرداران کا عطیہ

ہم نے اس سے قبل ارباب حکومت کو اس امر کی جانب توجہ دلائی تھی کہ شفاخانہ عثمانیہ کا رجوعہ کس قدر بڑھ گیا ہے کہ وہاں کا عملہ اور عمارت اس اضافہ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اکثر یہ شکایت سنی گئی ہے کہ مریضوں کے داخلہ میں بڑی دیر لگتی ہے۔ نرس اور ڈاکٹر مریضوں پر وہ توجہ نہیں کرتے جس کی فی الحقیقت ضرورت ہے۔ ہماری ذاتی معلومات کی حد تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شفاخانہ عثمانیہ کا رجوعہ بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کا عملہ اور سازوسامان موجودہ حالات میں ناکافی ہے۔ ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہاں کے سرمایہ دار طبقہ کار خیر میں روپیہ صرف کرنا اپنے فرائض سے باہر سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جہاں کے مخیر اصحاب شفاخانے، یتیم خانے اور مدارس کھول نہ رکھے ہوں۔ ہم نے اپنے متمول طبقوں سے مایوس ہو کر حکومت کو توجہ دلائی تھی کہ یا تو وہ کوئی جدید شفاخانہ قائم کرے یا موجودہ شفاخانہ عثمانیہ میں توسیع عمل میں لائے۔ معلوم نہیں ارباب حکومت نے کیا اقدام اٹھایا۔ لیکن چند روز قبل اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر ہمیں مسرت ہوئی کہ مجلس جاگیرداران کے ارکان نے شفاخانہ عثمانیہ کی توسیع اور چند وارڈ کے قیام کے لئے پچاس ہزار کا عطیہ دیا ہے۔ اس نفس الظم پر مجلس جاگیرداران کے ان ارکان کو مبارکباد دیتے ہیں جنہوں نے اپنے طبقہ کی دیرینہ روایات کو قائم رکھ کر عوام کی بروقت خدمت کرنے کا ثبوت دیا۔ ہمیں توقع ہے کہ ملک کے دیگر متمول طبقے بھی مجلس جاگیرداران کے نقش قدم پر چل کر عوام کی فلاح و بہبودی میں حصہ لیں گے۔ اور زمانہ کے بدلتے ہوئے رجحانات سے ہم آہنگی پیدا کر لیں گے۔

کانگریس کے اندر کیا ہو رہا ہے

از
کرشنن

کمیونسٹ ممبروں کو کانگریس سے نکالنے کے بعد مسٹر پاٹل کانگریس کے اندر دوسری ترقی پسند جماعتوں کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ بمبئی کانگریس کمیٹی نے ابھی ایک تجویز کے ذریعہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے سفارش کی ہے کہ کانگریس کے آئین میں ایسی ترمیم کی جائے جس کی رو سے کانگریس میں سیاسی گروہوں اور جماعتوں کی گنجائش باقی نہ رہے۔

بمبئی کانگریس میں اب اس تجویز کے بعد دو مخالف دھڑے بندیاں قائم ہو گئی ہیں۔ کانگریس کے تمام ممبر و وزیر دو مخالف صفوں میں بٹتے جا رہے ہیں۔ بمبئی کے طالب علموں نے پاٹل کی اس تجویز کی بڑی سخت مخالفت کی۔ دسمبر کے آخری ہفتہ میں بمبئی میں کانگریسی طالب علموں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک تجویز کے ذریعہ بمبئی کانگریس کمیٹی کی اس تجویز کی سخت مذمت کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ پاٹل اور ان کے ساتھیوں نے طالب علموں کو طرح طرح سے ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کی کہ وہ بمبئی کانگریس کی تجویز کی مخالفت نہ کریں۔ ان سے کہا گیا کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو کانگریس آئندہ ان کی تعلیمی مدد نہیں کرے گی۔ اخبارات کو مسٹر پاٹل نے ہدایت کی کہ اس مسئلہ پر طالب علموں کی تجویز نہ شائع کریں۔ مسٹر [illegible] طالب علموں کی کانفرنس کا افتتاح کرنے والے تھے انھوں نے بھی کانفرنس میں جانے سے انکار کر دیا لیکن طالب علموں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور انہوں نے اپنی تجویز کے ذریعہ اعلان کیا کہ

"کانگریس کی تاریخ شاہد ہے کہ کانگریس کے اندر گروہوں اور جماعتوں کے بننے سے اس کے ارتقا میں مدد ملی ہے۔ گروہوں کی بنیاد اگر نظری اختلاف پر ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس ایک خودمند اور جاندار جماعت ہے۔ کانگریس کو ایک جماعت، ایک لیڈر اور ایک پروگرام کی بنیاد پر منظم کر کے اس کی جمہوری حیثیت کو ختم کر دینے سے کانگریس ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہدوں کی متحدہ جماعت کی حیثیت سے برت کردہ ہو جائے گی۔"

ہر محب وطن کانگریسی طالب علموں کی اس تجویز کا خیر مقدم کرے گا۔

کانگریس اور سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر جو ہمیشہ "انقلاب انقلاب" کی رٹ لگاتے ہیں۔ پاٹل صاحب کے سامنے بھیگی بلی بنے رہے۔ گرچہ پاٹل صاحب کی تجویز سے کانگریس سوشلسٹ پارٹی کو نقصان پہنچتا ہے مگر پرشوتم داس ٹریکم داس وغیرہ کانگریس سوشلسٹ لیڈر برابر یہی کوشش کرتے رہے کہ طالب علموں کی کانفرنس میں پاٹل کی مخالفت نہ کی جائے۔ یہی حال کانگریس سوشلسٹ طالب علموں کا تھا۔ انہوں نے اس تجویز کے خلاف تقریریں کیں جن میں پاٹل کے فیصلے کی مذمت کی گئی تھی مگر طالب علموں کی اکثریت پاٹل اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کے طرز عمل سے نالاں تھی ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ جمہوریت کو کچلنے کے لئے کانگریس کے بعض لیڈر آج کل کیا ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں پاٹل کے طرز عمل سے ان میں ان کو سخت صدمہ ہوا۔

ایک طالب علم نے اپنی تقریر میں کہا کہ "ہمیں اگر کانگریس کے نقش قدم پر چلنا ہے تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کانگریس کس طرف جا رہی ہے۔ ضرورت پڑے تو ہمیں اپنے رہنماؤں کی اصلاح بھی کرنی ہوگی۔ آج اگر کانگریس میں پھوٹ پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری مسٹر پاٹل پر ہے ہماری تو ساری کوشش یہی ہے کہ کانگریس میں کھنڈت نہ پڑنے پائے۔"

ان واقعات سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو پاٹل کی حمایت کرتے تھے۔ وہ دیکھیں کہ پاٹل اور ان کے جیسے لوگ کانگریس کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ پاٹل کی کوشش شروع ہی سے یہ رہی ہے کہ کانگریس کے اندر ترقی پسندوں کو پنپنے نہ دیا جائے۔ ان میں اختلاف پیدا کیا جائے اور پھر انہیں ایک ایک کر کے ختم کیا جائے۔ رجعت پسند ہر جگہ یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

پاٹل صاحب نے جو کچھ بمبئی میں کیا وہی ان کے دوست مدراس اور دوسری جگہوں میں کر رہے ہیں۔ وہاں ان کا سارا غصہ راجہ جی اور ان کے ماننے والوں کے خلاف ہے جن کو ہٹا کر پاٹل کے ہم خیال اور دوست کانگریس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

تامل ناڈ کانگریس کمیٹی کے ایک سو نوے ممبروں میں کم و بیش ایک سو دس راجہ جی کے ماننے والے ہیں۔ ان میں بہت سے کانگریس کے پرانے لیڈر ہیں لیکن آج تامل ناڈ کانگریس پر جن لوگوں کا قبضہ ہے وہ راجہ جی کے حامیوں کو نکالنے کے لئے ہر طرح کے اوچھے اور گندے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ بڑے زمینداروں، سرمایہ داروں اور ان کے اخبارات کی مدد سے یہ لوگ راجہ جی کے خلاف صرف پروپیگنڈہ نہیں کرتے بلکہ گنڈہ پن اور مارپیٹ پر اتر آتے ہیں۔

ان کی ان حرکتوں کے خلاف راجہ جی کے حامیوں نے کانگریس کی مجلس عاملہ سے فریاد کی چنانچہ معاملات کی تفتیش کے لئے سر آصف علی مامور کئے گئے۔ آصف علی صاحب جب مدراس آئے تو اسٹیشن پر ایسے واقعات ہوئے جنہیں سن کر ایمان دار کانگریسی شرم سے گردن جھکا لے گا۔ راجہ جی کے مخالفوں اور حامیوں دونوں نے اسٹیشن پر مظاہرے کئے، ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگائے۔ کہا جاتا ہے کہ مخالفوں نے راجہ جی کے گروہ کے ایک شخص کو بری طرح پیٹا۔

آصف علی صاحب کی کوششوں سے دونوں گروہوں میں وقتی طور پر سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ ایک پارلیمنٹری بورڈ بنایا گیا ہے جس میں تین آدمی راجہ جی کے گروہ کے ہیں اور تین ان کے مخالف گروہ کے ہیں۔ مخالفوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہر مسئلہ پر راجہ جی سے صلاح و مشورہ کریں گے۔ لیکن یہ سمجھوتہ کسی سیاسی اصول کی بنا پر نہیں کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے پارلیمنٹری بورڈ کے اندر ہر گروہ دوسرے کے خلاف سازش کرے گا۔ چنانچہ اس کا سلسلہ شروع ہونے میں بھی دیر نہیں لگی۔

اسی طرح آندھرا میں بھی کانگریس کے اندر گروہ آپس میں جھگڑنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا اور پرکاسم صاحب دونوں یہی کوشش کر رہے ہیں کہ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر اور وزیر اعظم بن سکیں۔

اسی طرح کی خبریں بنگال، پنجاب وغیرہ سے بھی آ رہی ہیں۔

ترکی سے مطالبے

سوویٹ روس کی جارحانہ پالیسی

ایک حالیہ خبر مظہر ہے کہ جارجیا کے دو پروفیسروں نے مشرقی ترکی کے بعض سرحدی علاقوں کو جارجیا کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ علاقے اردہان اور قارص کے اضلاع کے قریب پھیلے ہوئے تھے ہیں۔

اس مطالبہ کے نتیجہ کے طور پر ترکی کی رائے عامہ نے اپنے آپ کو زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھایا ہے اور حملے یا دباؤ کی صورت میں اپنے عزم مقاومت کا اظہار کیا ہے۔ ترکی عوام کے عزائم قوت سے زیادہ ہمت پر مبنی تھا۔ لیکن یہ روس کی اس حکمت عملی کا بڑی حد تک صحیح جواب ہے جس کے تحت روس کو جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اس سے ابتداء میں اپنے مطالبہ کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔

درہ دانیال کے مسئلہ کو چھیڑنے کے بعد جب روس نے اردہان اور قارص کے اضلاع کی واپسی کا مطالبہ پیش کیا تھا تو اول پر بہت کم توجہ دی گئی تھی اور انقرہ کی ایک تقریر میں کہا گیا تھا کہ نسبتاً یہ ایک کم درجہ کا مسئلہ ہے لیکن اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اردہان اور قارص کے اضلاع کا سوال ان دونوں ممالک کے درمیان کے شدنی مسائل میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ متذکرہ علاقے سنہ ۱۸۷۸ء میں روس اور ترکی کی جنگ کے نتیجے کے طور پر زار کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔ لیکن جب سنہ ۱۹۲۱ء میں روس اور ترکی کے درمیان دوستی کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ معقول حد تک اس روشن خیالانہ اصول پر اتفاق کیا کہ ان علاقوں کے عوام کو خود مختاری آزادی اور طرز حکومت کی پسند کا حق عطا کیا جائے اور ان عوام نے اپنی رائے سے جمہوریہ ترکی سے ملحق ہو جانا پسند کیا۔ اس لئے وزیراعظم ترکی کے بیان کے مطابق یہ کہنا غلط ہے کہ ترکی نے ان اضلاع پر اس وقت قبضہ کیا جبکہ روس کمزور تھا۔ خود ترکی اس وقت اتنا کمزور تھا کہ اس کا وجود و عدم برابر تھا۔ ایسے ہی محض اس اساس پر کہ ان علاقوں کے کچھ باشندے جارجیائی زبان بولتے ہیں۔ ان علاقوں کا جارجیا سے ملحق ہے۔ روس کے مطالبہ کو وزن حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ان اضلاع کے قریبی علاقوں سے متعلق ان پروفیسروں کے مطالبے کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر صاحبان کا یہ نیا مطالبہ روس کی اس متذکرہ حکمت عملی کی ذیلی پیداوار ہے کہ اپنے مطالبہ کو زیادہ سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ لیکن وزیر اعظم کے بیان کے مطابق سنہ ۱۹۳۵ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علاقوں کی آبادی کی اکثریت جن کا جارجیائی پروفیسروں نے مطالبہ کیا ہے ترک ہے۔ ان کی زبان ترکی، ثقافت ترکی اور مذہب بھی ترکی (اسلام) ہے۔ اور ان کے متعلق بیان میں جارجیائی باشندوں کا تناسب ناقابل لحاظ ہے۔

اگر جارجیائی پروفیسروں کے اس مطالبے کو ترکی کی حکمت عملی کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ انتہائی قابل افسوس نظر آتا ہے۔ ترکی سے باہر ترکی زبان بولنے والے (۲۵) ملین اشخاص آباد ہیں۔ چنانچہ ترکی کے اندر ایک ایسی تحریک بھی شروع کی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ترکی بولنے والی نسلوں کے اتحاد سے ایک عظیم شہنشاہیت کی بنا ڈالی جائے لیکن سنہ ۱۹۲۳ء کے اوائل میں حکومت ترکیہ نے اتحادیوں اور روس کے ساتھ اپنی خیرسگالی کے اظہار کے طور پر اس تحریک کو کچل دیا۔ اس کے علاوہ ترکی کی حکمت عملی کا ایک جزو یہ بھی رہا ہے کہ بیرونی علاقوں کا حصول نہ کیا جائے اور اپنے ایک محدود علاقے میں استحکام پیدا کر کے اسے ترقی دی جائے۔ اس صورت حال میں روس یا کسی بڑی طاقت کا یہ فکر کہ خود ترکی کے بعض علاقوں کو ناجائز طور پر ہضم کر لیا جائے یقیناً قابل افسوس ہے۔

بعض حلقوں میں اس نقطہ نظر کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے کہ روس کا موجودہ دباؤ اس مقصد کے تحت نہیں ہے کہ وہ ترکی کو نگل جانا چاہتا ہے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ترکی مخالف قوتوں کے حلقہ اثر سے دور رہے۔ روس کو یہ خوف ہے کہ اگر موجودہ صورت حال باقی رہے اور ترکی اینگلو امریکی حلقہ اثر میں چلا جائے تو روس کا موقف غیر محفوظ ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر ان تمام ریشہ دوانیوں سے روس کا مقصد یہ ہے کہ درہ دانیال سے متعلق کمیشن میں اسے قیادت حاصل رہے تو یہ صورت خود ترکی اور بحیرۂ روم کی دیگر قوتوں کے لئے ناقابل قبول ہوگی۔ مسئلہ کا حقیقی حل یہ ہوگا کہ درہ دانیال پر غیر جانبدار بین الاقوامی اقتدار قائم ہو۔ اس صورت سے بہ آسانی تمام اقوام کے لئے اس کا حل ممکن ہوگا اور جنگ کے زمانہ میں بھی اس پر نگرانی قائم رہے گی۔ بہرحال اس وقت یہ پیشین گوئی نہیں کیا جا سکتا کہ ترکی کا اس نوعیت کے جس قدر مطالبے کئے جا رہے ہیں خواہ وہ روس کی جانب سے ہوں یا جارجیا کے پروفیسروں کی زبان سے ان کی کوئی منصفانہ اساس موجود نہیں دکھائی دیتی۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

با تنقید:-

پارلیمانی وفد کے ایک رکن کا بیان ہے کہ مسٹر آصف علی اور اُن کے مابین پاکستان پر جو گفتگو ہوئی وہ محض دفاع کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوئی جیسا کہ بعض نیوز ایجنسیوں نے اطلاع دی ہے بلکہ مختلف نقاط نظر سے گفتگو ہوئی۔ بعض ارکان وفد کو یہ شکایت ہے کہ ان کی گفتگو اور بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے اور وہ مفہوم لیا جا رہا ہے جو ان کا منشا نہیں ہے (نامہ نگار ڈان)

ایک مراسلہ نگار نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ:-

ہمارے ایک سابق صوبہ دار و منصبدار نے مولوی ابوالحسن سید علی کے خطبۂ صدارت کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے ایک صحافتی بیان میں مولوی صاحب کی ترقی پسندی پر مبارک باد دی تھی اور اس قرارداد اصلاحات کی ستائش کی تھی جو اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسہ میں منظور کرائی گئی تھی مگر اب جبکہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد مجلس میں خلفشار پیدا ہو گیا ہمارے سابق صوبہ دار و منصبدار خاموش کیوں ہو گئے؟

آئینہ خانے کے رازہائے سربستہ سے ہم پوری طرح واقف نہیں مگر اس کہاوت سے ضرور واقف ہیں "دو جس میں آگ لگا کر جمالو دور جا کھڑی"

ہم قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تیقنات کیا ہیں کیونکہ ان پر اب بھی راز کا پردہ پڑا ہوا ہے ..... ہم یہاں صرف یہ کہیں گے کہ مسلمان تیقنات کے بغیر اصلاحات قبول نہیں کر سکتے۔ (رہبر دکن)

مسائل سے یہ "با خبری" اور رہبری کا دعویٰ؟ تیقنات کیا ہوئے معشوق کی کمر ہو گئی۔

کیا پوچھتے ہو رہبر شوریدہ سر کا حال
سی آئی ڈی سے پوچھ جا کر کمال

ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے اپنا انتخابی اعلان شائع کیا ہے جس میں انگریزی سامراج کی غلامی سے پوری آزادی کا حصول ان کے پروگرام کا اہم جزو ہے۔ (ایک خبر)

تو گویا کمیونسٹ پارٹی بھی یہ سمجھتی ہے کہ انتخابات جیتنے ہی آزادی مل جائے گی۔

ع ۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

یہ زمانہ انقلاب کا ہے۔ ریاستی رعایا میں بھی ایک بہت بڑا ذہنی انقلاب ہو گیا ہے۔ (رعیت)

اور اس انقلاب کا ثبوت وہ مفاہمت ہے جو سالار جنگ ہلیں میں ہمارے لیڈروں کے مابین حصول وزارت کے لئے ہوئی تھی۔ انقلاب زندہ باد! کرسی اقتدار پائندہ باد!

حیدرآباد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے عصرانہ میں مولوی ابوالحسن سید علی نے فرمایا کہ:-

مسلم طلبہ کو سیاسیات میں حصہ لینا چاہئے اور اپنے لیڈر کے حکم کی تعمیل کا خیال رکھنا چاہئے۔ (وطن [illegible])

کیا مولوی صاحب کا یہ منشا ہے کہ طلبہ اپنے اساتذہ کی بات نہ مانیں؟ اساتذہ اور طلبہ کے سرپرستوں کے لئے ایک لمحۂ فکر۔

اخبارات میں اختلافی مسائل کو اچھالنے سے کوئی سود مند نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جبکہ اغیار مسلمانوں کے جائز حقوق کو پامال کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ (رہبر دکن)

مگر واقف کار لوگوں کا خیال ہے کہ:-

ع ۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کل ہند ریاستی رعایا کی کانفرنس کا آٹھواں سالانہ جلسہ جس کی صدارت پنڈت جواہر لال نہرو نے کی تھی نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا (رعیت)

مگر سوال یہ ہے کہ پنڈت جی کس ریاست کے باشندے ہیں؟

ریاستی رعایا کی کانفرنس میں راس کماری سے لے کر ہمالیہ تک سو سے چھوٹی اور بڑی ریاستوں کی رعایا کے نمائندوں نے شرکت کی (رعیت)

مگر "رعیت" کو کس نے نمائندہ بنا کر بھیجا تھا؟

ریاستی رعایا کی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جا فرشتہ دیگر ریاستی نمائندوں کی رہائش اور آسائش کے لئے حکومت میسور نے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی۔ حکومت میسور کی یہ روش یقیناً قابل قدر ہے (رعیت)

اگر ہندوستانی ریاستیں ایک نیک نامی چاہتی ہیں تو انہیں چاہیے کہ آئندہ سے لیڈروں کی آسائش کا خیال رکھیں۔ آج کل سیاست کا گر یہی ہے۔

طلبہ کی ایک جماعت جن کا تعلق اقامت خانہ دارالسلام سے ہے لاری میں بیٹھ کر مولوی صاحب زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے شہر میں گشت کرتی رہی۔ (ایک خبر)

یہ سوال غیر متعلق ہے کہ لاری کس نے فراہم کی اور اس کا کرایہ کس نے ادا کیا۔

آئندہ ہند کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں جو مسٹر [illegible] کی صدارت میں منعقد ہو مجلس اتحاد المسلمین کے حالیہ خلفشار پر غور کیا جائے گا؟ کیا [illegible] کانفرنس کی مجلس عاملہ بھی اتحاد المسلمین کے خلفشار پر غور کرے گی۔ (ایک خبر)

ع ۔ [illegible]

بکواس

از

ع، خ

غریب پرور، چار مینار سگریٹ کے دھوئیں کے بادلوں میں" بادلوں میں اس لئے کہ کئی حضرات بھی سگریٹ پی رہے تھے" اور اتفاق سمجھئے کہ کئی حضرات کو آسانی سے یہ سگریٹ مل گئے تھے — میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر میرے انٹرویو کا کیا ہوگا کیونکہ میرے پاس نہ تو رسائی کے لئے پاس تھا اور نہ موجودہ نظام کے تحت اقربا اور اعزا کی سفارشیں اور وہ بھی ایسی جو "مستند" ہوں۔ انٹرویو کا دن میری حیاتی موت کی طرح میری ہر حال زندگی سے قریب ہوتا جا رہا تھا اسی دوران میں میرے ایک دوست جو کبھی کالج میں میرے ساتھ تھے اور صرف دور ہی سے مجھے سلام کرنے اور خوش ہونے پر اکتفا کر جاتے تھے آدھمکے جن کی ایک سرمایہ دار اس ملک کے ڈوب جانے کی خبر جس میں اس کا شمول تھا، آ دو بکا کر کہتے۔ میں نے اپنے شناسا کی فرقت کی تعریف اور قدر اپنے استعجاب و حمایت کا اظہار نہیں کیا بلکہ جاہل بیوی کے تعلیم یافتہ شوہر کی اداکاری کے سارے لوازم کا لحاظ کرتے ہوئے اتنی ہی ان کے استقبال میں اپنے ہاتھوں سے رقت انداز رہیں بغیر دو بوسوں کے باہر کی اور اسی طرح خوشی کا مظاہرہ کیا جیسے کہ ان کی تشریف آوری سے میری روح کا روزگار اور زندگی۔ اگر روح کا روزگار ہو سکتا ہے تو اپنی مسرت و شادمانی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اس بدحالی میں اپنے مہمان کی تواضع کر اسی طرح اپنا فرض سمجھتا تھا جیسے کہ ایک زمانہ حال کا سیاسی امیدوار اپنے رائے دہندہ کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ میرے ملازم نے جو کسی ماہ تنخواہ نہ پانے کی وجہ سے میرا آقا ہو گیا تھا ان کا سامان اٹھایا۔ میں نے ان کی خیریت و عافیت پھر اس طرح دریافت کی جیسے دیوانی مقدمات کی پیروی کرنے والا وکیل عینی گواہ کے عینی دوست سے اپنے خلوص کا اظہار کرتا ہے۔ پھر دیوانی مقدمات کی پیشیوں کی طرح مسلسل پڑنے والے بابوں کا حامل ایک شاعر اپنے معتقد سے اس کا حال احوال دریافت کرتا ہے۔ انہوں نے اپنا سامان بیٹھک کے خانے کے کونوں پر جن پر ایک عرصے سے معمول کی طرح جھاڑو نہیں ہوئی تھی جیسے کسی سرمایہ پرست فروش کے دیوان خانہ اور دیوان خانہ کے ساتھ اتر فرش کا حال ہوتا ہے۔ انہوں نے سرسری نگاہ سے معمولات کو جیسی نظر رکھتے ہیں اپنی مسافتی پریشانیوں اور حالیوں کو چھپانے کی کامیاب کوشش کی۔ میں وکیل تھا اور وہ بیروزگار۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ میرے پاس شہر کی سماجی تقریبوں کے دعوت نامے بالالتزام آجایا کرتے تھے اور اب ان تقریبوں میں کوئی گھسنے نہیں دیتا۔ کیونکہ ان کی بیروزگاری ظاہر تھی اور میری بیروزگاری پر میرے سائن بورڈ نے ایک مصنوعی نقاب ڈال رکھی تھی۔ جب میں نے ان کی وجہ تشریف آوری دریافت کی تو انہوں نے انٹرویو کا ذکر کیا۔ پیر یا تھا کہ کیونکہ اس مرتبہ امیدوار کے پھوپھا اور چچا گر انتخابی بورڈ کے رکن تھے۔ میں نے کہا ایسے انٹرویوز میں کیا رکھا ہے۔ یوں تو اشتہارات چھپتے رہتے ہیں جو محض تکمیل ضابطہ ہوتے ہیں اور "ضابطہ" کی کوئی تشریح موجودہ دور کی کسی لغت میں نہیں ملتی" وہ کہنے لگے بیٹے بڑائے پاس کیا ہے اور اگر یہ ڈگری ہوتا تو میرے پھوپھا ممبر کی موجودگی بھی کافی ہے" میں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور عنوان بدلنے کی خاطر ان سے پوچھا۔ اس دور میں جب کہ زندگی کی حقیقت ایک خواب پریشاں سے زیادہ نہیں رہی ہے زندگی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے" انہوں نے چکبست آنجہانی کا حوالہ دیا اور میرے پیش کئے ہوئے چار مینار سگریٹ کا ایک لمبا کش لیتے ہوئے فرمایا۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

میں نے عرض کیا جناب والا! یہ خیال مسلم و مستند سہی لیکن آج کل اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ جو بھی ہم اور اس سے زیادہ ہمارے ڈاکٹروں کی ہدایات نے چکبست کی شاعرانہ حقیقت کے عناصر کی ترتیب بگاڑ دی ہے"۔ انہوں نے یہ سنکر کچھ اس طرح قہقہہ لگایا جیسے میں نے ایک ناسمجھ بچے کی سمجھ کے عین مطابق کوئی بات کہدی ہے یا پھر ان کی مسکراہٹ کچھ ایسی تھی جیسے کوئی بے تکلف دوست اپنے مفلس دوست کے قرض کے بارے میں دست سوال دراز کرے اور مفلس دوست اپنی مفلسی کا مضحکہ اڑتا ہوا دیکھ کر ایک خفیف استہزا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ٹال دے۔ بات یہیں پر رک گئی کیونکہ میرا آقا نما ملازم قریب کے چائے خانہ سے میرے حساب میں حسب معمول دو پیالی چائے۔ غالباً ایک چائے خانے سے مزدوری کی بحث کے بعد لے آیا تھا۔ انہوں اور میں نے چائے پی۔ میں نے اطمینان کی سانس لیا کہ اس موقع پر اپنے ملازم کے رنگ سے مالک چائے خانہ کچھ پیشتر سے اداس پر حد کرنے اپنی مالی بے انضباطی اور اپنی قانونی ڈگری کی "اعلیٰ قدر و قیمت" کا اندازہ کر کے گرفت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ چائے پا کر چہکنے لگے اور میں سوچنے لگا کہ آخر اس زندگی کا مقصد کیا ہے ایک سائن بورڈ گھر پر لگایا وکیل بن بیٹھا۔ لیکن سوائے وقت ضائع ہونے کے اگر کوئی مؤکل نے ادھر کا رخ کیا ہو تو قانون شہادت کے سارے نکات سے واقعیت کی تصدیق چشم دید کر کے بھی قسم کھلانے میں اس طرح پس و پیش کرتا جیسے ہمارے مقدمات میں پولیس کے گواہ حلف اٹھا کر اپنا بیان دینے پر نہیں جھجکتے۔ بہرحال میں وہاں سے نکلا اور صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آخر اس زندگی کا کیا مقصد ہے میرے شناسا اپنے ہونے والے ممبر چچا کے سے اپنا عقیدت کا اظہار کرنے روانہ ہو چکے تھے میں بھی اپنے گھر سے نکلا۔ وہاں اور کہاں؟ اپنے ایک رند دوست کے ہاں پہنچا جو اپنے آپ کو پوری کوشش سے "معقول" ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ جب میں ان کے کمرے میں موجود دروازہ داری کے سارے آداب کو نظر انداز کر کے ان کے کمرے میں پہنچ تو دیکھا کہ وہ اپنی اسی الماری سے جس کے طاق میں مذہبی الہامی کتابیں رکھی تھیں، شراب کی دو بوتلیں اور دو تین گلاسوں کے لڑکھڑاتے ورانی کی طرح خالی گلاس نکال رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر کچھ چونکے لیکن پھر ان کا ظرف جیسے شریف انسان جن کا نام لکھنا بھی محال ہے ادبی نقطوں کا لحاظ کئے بغیر "ریاکاری" سمجھتے ہیں دور کر کے عرض کیا اس کی پرواہ مت کیجئے میں بھی اس منزل سے گزر چکا ہوں۔ انہوں نے کہا "میں کسی وقت تم سے انٹرویو کے لئے تیار نہیں تھا"۔ تب میں اپنے آپ سے کہا "انٹرویو" — اور پھر کچھ سوچ کر وہ گلاس جو انہوں نے میری طرف بڑھا دیا تھا چڑھا گیا —

(باقی آئندہ)

حیدرآباد میں تعلیم کی توسیع

ناظم صاحب تعلیمات کی تقریر

مولوی علی اکبر صاحب ناظم تعلیمات نے انجمن اساتذہ بلدہ کی سالانہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ ایک ... کے بعد آج انجمن اساتذہ متفرقہ بلدہ کی سالانہ کانفرنس کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ مجھے انجمن اساتذہ متفرقہ بلدہ و اضلاع کی سالانہ کانفرنس سے خاص دلچسپی ہے کیونکہ ایک طویل عرصہ تک بحیثیت صدر مہتمم تعلیمات بلدہ مجھے ان سے راست تعلق رہا ہے نہ صرف انجمن اساتذہ بلدہ بلکہ اضلاع کی انجمنیں بھی سال بسال اپنی اپنی سالانہ کانفرنسیں منعقد کر رہی ہیں اور توقع ہے کہ آئندہ سال انجمن اساتذہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی کانفرنس کا بھی انعقاد عمل میں آئے گا۔ مولوی سجاد مرزا صاحب کا انتخاب اس کانفرنس کی صدارت کیلئے نہایت موزوں ہے۔ صاحب موصوف کا تعلیمی تجربہ نہایت وسیع ہے اور ان کو تازہ ترین علمی معلومات حاصل ہیں نیز ملک کے تعلیمی مسائل کا موصوف نے غائر مطالعہ فرمایا ہے۔

حضرات۔ سررشتہ تعلیمات کی موجودہ ترقی آنریبل سید محمد اعظم صاحب صدر المہام تعلیمات کی رہین منت ہے۔ دو سال قبل موصوف نے جبکہ وہ ناظم تعلیمات کی خدمت پر فائز تھے ممالک محروسہ میں مابعد جنگ تعلیمی توسیع اور ترقی پر ایک نہایت جامع اور بصیرت افروز رپورٹ مرتب فرمائی تھی۔ یہ ایک چالیس سالہ منصوبہ پر مشتمل ہے جس کے اخراجات ختم مدت پر ۳۰۱۴۱ کروڑ روپیہ سالانہ ہوں گے کام فوراً شروع کرنے کی غرض سے ایک پانچ سالہ منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے جس کے جملہ متوالی اخراجات پورے مدت میں ۱۲۶ء۳ کروڑ روپیہ اور غیر متوالی اخراجات ۱۲ کروڑ روپیہ ہوتے ہیں۔ یہ عالیجناب صدر المہام بہادر ہی کی توجہ اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ سررشتہ تعلیمات کا موازنہ جو ۱۳۴۲ف میں تقریباً ۹۲ لاکھ روپیہ تھا اب تقریباً ایک کروڑ ساڑھے باسٹھ لاکھ روپیہ ہے اور اس عرصہ میں ۶۰۴ جدید مدارس تحتانیہ ۱۶ مدارس فوقانیہ اور ۲۵ مدارس وسطانیہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ سال حال کے موازنہ میں ۳۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا اضافہ منظور ہوا ہے اس کا بیشتر حصہ پرائمری تعلیم کی توسیع اور اصلاح پر صرف ہوگا۔ چنانچہ ۳۰۰ جدید مدارس تحتانیہ قائم کئے جا رہے ہیں پرائمری تعلیم کی اصلاح دو طریقہ سے کی جا رہی ہے۔ پہلا تو یہ کہ سال حال ۱۶۰۰ مدارس کے اسٹاف میں اضافہ کیا جا رہا ہے اور دوسرے کم مواجب مدرسین کی تنخواہ بڑھا دی جا رہی ہے تاکہ یہ زیادہ دلجمعی سے کام کر سکیں اور اساتذہ بہتر قابلیت کے مدرسین فراہم ہو سکیں۔ اس تنظیم کے بعد کسی سرکاری مدرسہ میں مدرسین کا گریڈ (۳۰-۲-۴۰) سے کم نہیں ہوگا اور دیہات کے امدادی مدرسین کو تعداد طلباء کے اعتبار سے بجائے دس اور بارہ روپیہ کے (۱۵) (۲۰-۲۵) روپیہ امداد دیجائے گی۔

پرائمری تعلیم کے سلسلہ میں تضییع کا مسئلہ خاص توجہ کا محتاج ہے مدارس تحتانیہ خصوصاً دیہات کے مدارس تحتانیہ میں ایسے طلباء کثرت سے ہیں جو پرائمری کا نصاب ختم کرنے سے پہلے مدرسہ ترک کر دیتے ہیں۔ ماہرین تعلیم اس امر پر متفق ہیں کہ اس قسم کی تضییع کے انسداد کا بہترین علاج جبری تعلیم کا نفاذ ہے۔ بلدہ اور چند دوسرے منتخب دیہات میں جبری تعلیم کو جاری کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ اس وقت صرف (۲۰) فیصد قابل تعلیم طلباء زیر تعلیم ہیں۔ جبری تعلیم کی ترویج کیلئے ابھی کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے ابتدائی مراحل ابھی طے نہیں ہوئے اور اس کے لئے ایک کثیر رقم درکار ہوگی لیکن اگر کوشش کی جائے تو بغیر جبری تعلیم کے بھی تعداد طلباء میں بہت کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے اور ایک حد تک تضییع کا بھی سد باب کیا جا سکتا ہے سولہ سترہ سال قبل بلدہ میں اطفال شماری کا انتظام کیا گیا تھا اس وقت بلدہ میں (۳۴) فیصد قابل تعلیم طلباء مدارس میں زیر تعلیم تھے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ پھر اطفال شماری کا انتظام کرکے مکینوں اور خصوصاً والدین کے تعاون سے ہر محلہ میں ان طلباء کو مدرسہ میں شریک کرانے کی کوشش کی جائے جو اس وقت زیر تعلیم نہیں ہیں اور پرائمری کے نصاب کے اختتام تک ان کو اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی ترغیب دلائی جائے۔ دیہات میں جو تعلیمی کمیٹیاں قائم کی جا چکی ہیں وہ بھی اس ضمن میں بہت کچھ مفید کام انجام دے سکتی ہیں

پرائمری تعلیم کی ترقی کے لئے کافی تعداد میں تربیت یافتہ مدرسین فراہم کرنے کی غرض سے نارمل اسکولوں کی تنظیم کی گئی ہے۔ اب ان مدارس میں زیادہ تعداد میں مدرسین کی شرکت کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور میٹرک کامیاب مدرسین کی ٹریننگ کی مدت بجائے ایک سال کے دو سال مقرر کر کے ان کی ٹریننگ کے معیار کو بھی بلند کر دیا گیا ہے۔ دو مزید نارمل اسکول عنقریب قائم کئے جانے والے ہیں۔ ایک بلدہ اور ایک محبوب نگر میں۔

۱۳۴۹ف میں توسیع تعلیم ابتدائی کے لئے جو پنجسالہ پروگرام تیار کیا گیا تھا اس کے نتیجہ کے طور پر تعلیم ثانوی کی مانگ میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور اس کو پورا کرنے کے لئے گذشتہ دو سال کے عرصہ میں ۹ جدید مدارس فوقانیہ اور ۲۵ جدید مدارس وسطانیہ قائم کئے گئے ہیں اس کے علاوہ متعدد مدارس فوقانیہ اور وسطانیہ میں اسٹاف کا اضافہ کیا گیا ہے توقع ہے کہ سال حال میں مزید ۸ مدارس فوقانیہ اور ۶ مدارس وسطانیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔ جن مدرسین کا ٹریننگ کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے ان کو اب نصف تنخواہ پر رخصت خانگی تعلیمی لینے کے بجائے زمانہ ٹریننگ میں ان کو سالم تنخواہ ایصال ہوتی ہے اسی کی وجہ سے مدارس ثانویہ کیلئے ٹرینڈ مدرسین کی تعداد میں ہر سال معتد بہ اضافہ ہو رہا ہے۔

گو مدرسین طبقہ وسطانیہ اور طبقہ فوقانیہ کی تنخواہوں کا اسکیل مربوط ہوچکا تھا لیکن بالائی گریڈ کی جائدادوں میں کمی کی وجہ سے اب ان مدرسین کو ان کے مستحقہ گریڈ بہت جلد مل جاتا ہے۔ باوجود جنگ کے گذشتہ تین چار سال سے مدارس ثانویہ

مزدوں امیدواروں کی قلت رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوران جنگ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ملازمت کے نئے راستے کھل گئے تھے لیکن اب جب کہ جنگ ختم ہو چکی ہے توقع ہے کہ امیدواروں کی قلت ایک حد تک رفع ہو جائے گی۔

تعلیم نسواں کی سربرآوردہ پستی کے مد نظر اس طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے ہو جدید مدارس وسطانیہ اور فوقانیہ نسواں قائم کئے گئے ہیں ان کی بدولت نہ صرف اضلاع کی لڑکیوں میں تعلیم ثانوی کو فروغ ہوگا جس کی شدید ضرورت ہے بلکہ توقع ہے کہ ان شہروں میں آئندہ تعلیم نسواں کی مزید اشاعت کے لئے قابل معلمات فراہم ہو سکیں گی۔

طلباء کی صحت کا مسئلہ نہایت اہم ہے اگرچہ بیشتر سرکاری مدارس فوقانیہ اور بعض مدارس وسطانیہ میں بھی فزیکل ٹریننگ کالج کے تربیت یافتہ مدرسین مامور ہیں اب جبکہ ان مدارس کے اسٹاف میں اضافہ کیا گیا ہے مدرسین تعلیم جسمانی اور کھیل کے لئے زیادہ وقت دے سکیں گے۔ طلباء کی تندرستی کے لئے صرف تعلیم جسمانی کی جانب توجہ کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ نادار طلباء کے لئے کافی اور مقوی غذا بھی فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔ سرکار عالی کی جانب سے بھی اب تک اس کے لئے کوئی رقم فراہم نہیں کی گئی۔ لیکن میرے خیال میں سرکار سے رقم کی منظوری کا انتظار کئے بغیر بھی اس طور میں قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ چونکہ پبلک میں تعلیم کا کافی شوق پیدا ہو گیا ہے آنے والی حالت اور نتیجۃً تاثراتِ تعلیمی اور منافع اشاعت کے لئے معقول چندہ جمع کر کے پبلک تحتانی مدرسے تحتانیہ کو وسطانیہ یا وسطانیہ کو فوقانیہ بنانے کی درخواست کرتی رہتی ہے۔ ذی ضروریات ایسی ہیں جن کی تکمیل کی

ذمہ داری خود سررشتہ پر ہے۔ مناسب ہوگا کہ پبلک سے جو امداد حاصل کی جا سکتی ہے اس کو ایسی ضروریات کیلئے صرف کیا جائے جن کو سررشتہ پورا نہیں کر سکتا ہے۔ مثلاً نادار طلباء کے لئے غذا اور کتب وغیرہ کی فراہمی۔

طبی معائنہ کے جدید انتظام کے لحاظ سے تندرست طلباء کا طبی معائنہ بجائے سالانہ دو دفعہ کے ہر منزل تعلیم میں صرف ایک دفعہ ہوگا۔ البتہ جن طلباء میں جسمانی نقائص پائے جائیں ان کا معائنہ حسب ضرورت ہوگا۔ بلدہ میں ان کے علاج کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔ طبی معائنہ کی اسکیم کی کامیابی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ مدرسین اور والدین ڈاکٹر معائنہ کنندہ کے ساتھ تعاون کریں۔ مدرسین اور خصوصاً فزیکل ٹریننگ کالج کے تربیت یافتہ مدرسین کو چاہیے کہ طلباء کی صحت کا صحیح صحیح ریکارڈ رکھیں۔

طلباء میں ڈسپلن کے معیار کو ابھی بہت کچھ بلند کرنے کی ضرورت ہے صداقت نامجات ترک مدرسہ میں تحریف کی جو کارروائیاں آئندہ ان بڑی تعداد میں پیش ہوتی رہتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ کردار سازی کی جانب کافی توجہ نہیں کی جاتی ہے۔ اچھی تربیت کے لئے محض چند نصیحتیں کافی نہیں ہیں۔ ہر مدرس کو چاہیئے کہ وہ خود طلباء کے لئے اچھا نمونہ بنے اور ان سب صفات کا حامل ہو جن کا ان میں نشوونما ضروری ہے۔ ان سے انفرادی طور پر واقف ہونے کی کوشش کرے اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے کہ وہ سمجھنے لگیں کہ اس کو ان سے دلچسپی ہمدردی ہے یہی کہ ان کے والدین کو ہے۔ صدر مدرس کا یہ فرض ہے کہ زائد از نصاب مصروفیات اور دوسرے ذرائع سے طلباء میں ذمہ داری کا احساس

پیدا کرنے کی سعی کرے نیز والدین کا تعاون حاصل کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے۔ آجکل طلباء پر جو مضر بیرونی اثرات پڑ رہے ہیں ان سے ان

کو محفوظ رکھنے کے لئے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ وہ مدرسہ اور گھر میں قریبا تعلق پیدا کیا جائے۔

پنڈت نہرو اور عدم تشدد

پنڈت نہرو کا وہ بیان جس میں مخالف سیاسی جماعتوں کے خلاف تشدد استعمال کرنے کی مذمت کی گئی ہے خیر مقدم کرنے کے قابل ہے۔ ۱۹۳۶ء میں پنڈت نہرو نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ کانگریس میں فاسسٹی رجحانات بڑھ رہے ہیں۔ بدقسمتی سے نہرو نے ان رجحانات کو مٹانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ اب یہ رجحانات بہت تیز ہو گئے ہیں۔ اور خود نہرو نے ان رجحانات کو ابھارنے میں بہت حصہ لیا ہے۔ ان کی اشتعال انگیز تقریروں سے ملک کے نوجوانوں میں عدم رواداری کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے پرزور طریقہ سے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حب الوطنی صرف کانگریسیوں کا اجارہ ہے۔ انہوں نے سیکڑوں جلسوں میں اعلان کیا کہ جو لوگ کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں وہ ملک کے دشمن ہیں اور ان کا قلع قمع کر دینا چاہئے۔ اور کچھ عرصے سے تو وہ عدم تشدد کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر ناتجربہ کار اور نیم تعلیم یافتہ نوجوان جو نہرو کی پرستش کرتے ہیں اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف تشدد استعمال کریں تو ان کا کیا قصور ہے۔

کانگریس کی ہمہ گیریت تشدد کے ساتھ ان جماعتوں کے خلاف کارفرما ہے جو بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسری جماعتوں کے جلسوں میں ہنگامے برپا کرنا کانگریس کی سرگرمیوں کا ایک جزو ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کانگریس کے خلاف کوئی جلسہ منعقد ہونے نہ پائے۔ یہ وطن دوستانہ اقدام صرف مسلم لیگ کے جلسوں تک محدود نہیں ہے بلکہ کمیونسٹوں کے خلاف کانگریس کے تشدد کی زیادہ تشہیر ہو گئی ہے مگر ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔ اس پارٹی کے جلسے زیادہ منظم ہوتے ہیں اس لئے کانگریسی رضاکار آسانی سے انتشار پیدا نہیں کر سکتے۔ تازہ ترین طریقہ یہ ہے کہ ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی کے ارکان کو جہاں کہیں وہ تنہا مل جائیں زدوکوب کی جائے۔ مثلاً اس پارٹی کے ایک رکن کو جو ابھی ابھی جیل سے رہا ہو کر آیا تھا امین الدولہ پارک لکھنؤ میں کانگریسی رضاکاروں نے سینے میں چھرہ گھونپ دی۔ اس موقع پر صوبہ متحدہ کی کانگریس کمیٹی کا ایک جلسہ اس پارک کے ہال میں ہو رہا تھا۔ نہرو بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔ اس زخمی شخص نے اس ہال میں پہونچ کر نہرو کو اپنا خون آلود سینہ بتایا اور کہا "یہ ہے آپ کا عدم تشدد"۔ مگر کانگریسی رضاکاروں نے اس کو باہر نکال دیا اور پولیس نے اس کو ہسپتال پہونچا دیا۔ نہرو نے اس وقت بھی کوئی بیان جاری کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

کانگریسی افراد کھلے بندوں کہتے پھرتے ہیں کہ انتخابات کے بعد جب کانگریس برسر اقتدار آئے گی تو ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی اور دوسری مخالف جماعتوں کو اچھی طرح سمجھ لے گی۔ میں اپنی حفاظت کے لئے نہرو سے اپیل کرنا نہیں چاہتا مگر صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ان کے حالیہ بیان سے برائی کی وہ قوتیں رک نہیں سکتیں جو خود ان کی ابھاری ہوئی ہیں۔ اگر ہندوستان میں فاسسٹیت کی فتح ہو جائے تو حب الوطنی کے نام سے ہندوستان کے باشندوں کا جو خون بہایا جائے گا اس کی ذمہ داری نہرو پر ہو گی۔

(ایم۔ این۔ رائے)

مراسلات

مفاہمت اور "پیام"

حیدرآباد میں اخبار "پیام" کی تاریخ پیدائش سے دیکھا جا رہا ہے کہ اس کی پالیسی اسلامی معاملات میں عیب پر نظر ڈالنے کی رہی ہے۔ حال میں ابھی ابھی میں نے جس گفتگوئے مفاہمت (مولوی ابوالحسن قیصر اور ہندو پبلک کارکنوں کے مابین) کو منظر عام پر لایا تھا اگرچہ اس کے رد عمل آنے کا اب کوئی امکان نہیں اس کی روح کو دیکھنے کی بجائے محض ایک شخصی بات کو اچھال کر اعتراضات کی بوچھاڑ اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں "پیام" نے اپنے دماغ اور قلم کو مصروف کر لیا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حیدرآباد میں چند اصحاب کی ایک جماعت جس میں بیرونی افراد زیادہ ہیں ایسی پیدا ہو گئی ہے جو حکومت کی اچھی باتوں کو نظر انداز کر کے ایسی برائیوں کو اچھالتی رہتی ہے جس سے کوئی اچھی سے اچھی حکومت بھی خالی نہیں۔ فطرتاً اہل ملک کا مقصد اور ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ان کے ملک کی وحدت قائم رہے ملک کا وقار اور مالک کا اقتدار رہے۔ اسی جذبہ کے تحت وفا شعار رعایا اور مجلس اتحاد المسلمین کا ہمیشہ احتجاج رہا ہے کہ حیدرآباد کے معاملات میں بیرونی مداخلت کو ختم ہونا چاہئے معاہدات کی پابندی ہونی چاہئے مفوضہ علاقہ برار کو واپس ملنا چاہئے اور حکومت کو بادشاہ سلامت کے آگے ذمہ دار رہنا چاہئے۔ اس کے برعکس مذکورہ جماعت کے ارکان ملک کی وفادار رعایا میں اس کے مخالف جذبات پیدا کرنے کی کوشش کے علاوہ بیرون ملک جا جا کر اس نیک مقصد کے خلاف زہر افشانی کیا کرتے رہے ہیں۔ مگر اب جو گفتگوئے مفاہمت دونوں فریق (مولوی ابوالحسن قیصر اور ہندو پبلک کارکن) ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں ملک کی خدمت اور بادشاہ کی وفاداری کا شریفانہ جذبہ نمایاں ہے اسی لئے "ہم" نے اس کی اشاعت کی کہ اس سے بدگمانیاں رفع ہوں مزید محبت و اتحاد کا موجب ہو کیونکہ یہ تمام مطالبات جو معاہدات کی پابندی بیرونی مداخلت کے انسداد اقتدار شاہانہ کی برقراری حکومت کا ذات شاہانہ کے آگے جوابدہ رہنے سے متعلق اتحاد المسلمین اور عام وفادار رعایا کے مقصد حیات ہیں اسی سے یہ مفاہمت بالکل ہم زبان ہے۔ اس میں اندرونی اصلاحات اور بیرونی مطالبات کا بہت اچھا خاکہ بنایا گیا تھا اس ذہنیت پر اس سے بہتر کوئی اور بات کیا ہو سکتی تھی۔ اب تو طے یہ کرنا ہے کہ ان مقاصد کو بروئے عمل لانے کے لئے انہیں خیالات کے ارباب حکومت کو برسرکار ہونا چاہئے یا کسی اور کو۔ اگر ان مقاصد پر عمل پیرا ہونے والے اشخاص کا کونسل میں جانا قرار پائے تو اس کے سارے مضرات و مفید اقدامات اور اس کے بہترین نتائج و ثمرات سے قطع نظر کر کے صرف عہدوں کی خواہش کا سوال پیدا کرنا کوئی اچھی ذہنیت نہیں ہے۔ ایک معمولی عقل کا انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ مفاہمت ابتدائی دور کا ایک خاکہ ہے جو امور تصفیہ طلب رہ گئے ہیں وہ منزل اول پر کس طرح طے ہو سکتے تھے ان کو تو منزل مابعد پر آنا ہوگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فاضل ایڈیٹر "پیام" کو جو کہ ذمہ دارانہ حکومت کے دلدادہ ہیں ملال ہے اس سے اس مفاہمت میں حکومت کا بادشاہ کے آگے ذمہ دار رہنے کے تصفیہ کو دیکھ کر کچھ تکلیف سی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کا ماحصل یہی ہو رہا ہے۔ جب پبلک کارکن کونسل میں جائیں گے (جو کہ بادشاہ کی خدمت گزاری کی جماعت ہے) اور اس زمرہ میں شامل رہیں گے تو ملک و رعایا کی بہبودی سے متعلق تمام مسائل بحسن

لے پاتے رہیں گے۔ ایسی صورت میں نہ تو نمبرداروں نہ حکومت کا سوال ہی باقی رہ سکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت بہرحال ایک اچھے کام میں اعتراض اور پھر بیجا اعتراض کا طریقہ ناشکری کے "پیام" ترک فرماویں تو ان کی نسبت پبلک کے جذبات میں ایک اچھی تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے۔

(عبدالرشید)

سلطان العلوم کی معارف پروری

غریب اور نادار طلباء کے فنڈ میں ایک لاکھ کا عطیہ

حیدرآباد ۸ ماہ اسفندار — معلوم ہوا ہے کہ اعلیحضرت بندگان عالی نے برام خسروانہ غریب اور نادار طلباء کی امداد کے لئے جامعہ عثمانیہ کے ارباب مقتدر کی طرف سے قائم کردہ ( ) کے لئے ایک لاکھ روپیہ عطیہ منظور فرمایا ہے۔ تجویز ہے کہ اس فنڈ کی ابتدا پانچ لاکھ روپے کے سرمایہ سے کیجائے۔ مستحق طلباء کو اس فنڈ سے جو رقم دی جائے گی اس کی صورت تعلیمی وظیفہ کی نہیں بلکہ بینکی مبادلہ کی ہوگی اور یہ رقم انہیں اس وقت ادا کرنی ہوگی جب وہ ادا کرنے کے قابل ہوجائیں سرمایہ پر سود سے اور چندوں وغیرہ جیسے دیگر وسائل سے ایک ہزار روپے کی آمدنی کا توقع ہے

اعلان

محکمۂ معتمدی سرکار عالی صیغۂ رسد

نشان (۶۰) مورخہ ۳ - اسفندار ۱۳۵۵ف

بہ نفاذ ان اختیارات کے جو تحت فقرہ ۵ حکم نگرانی حمل و نقل اشیائے مشتہرہ نشان (۳۰) مورخہ ۹ - اسفندار ۱۳۵۳ف مجھے حاصل ہیں ذریعہ ہذا حکم دیا جاتا ہے کہ اندرون ممالک محروسہ سرکار عالی ایک ضلع سے دوسرے ضلع کو جو جوار منتقل کیجائے گی وہ عہدہ داران سررشتۂ مال کے نام پر ارسال کیجائے گا۔

حکم ہذا کی خلاف ورزی کی صورت میں حسب فقرہ ۷ حکم نگرانی حمل و نقل اشیائے مشتہرہ نشان (۳۰) مورخہ ۹ - اسفندار ۱۳۵۳ف قید کی سزا دیجائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکے گی یا جرمانہ کیا جاسکے گا۔ یا ہر دو سزائیں دی جاسکیں گی اور غلہ بھی بحق سرکار ضبط کیا جائے گا۔ فقط

شرح دستخط

منجانب معتمد رسد

میسورہ مشین پریس میں طبع ہو کر دفتر مملکت صفیہ ۔ ادو ساجد پور سے شائع ہوا۔